سنت کی تشریعی حیثیت اور ''سزائے رجم''

تحریر: ڈاکٹر محمود الحسن عارف

فاضل مضمون نگار نے یہ مضمون کئی سال قبل روزنامہ نوائے وقت میں بالاقساط شائع ہونے والے ایک مضمون ''ترا گنہ کہ نخیل بلند کا ہے گنہ'' کے جواب میں تحریر کیا تھا' جس میں ''سزائے رجم'' کے حدِ شرعی ہونے کے بارے میں جمہور اُمت کی رائے سے اختلاف کیا گیا تھا۔ پیش نظر مضمون میں اس ضمن میں دیئے گئے دلائل کی کمزوری کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ مضمون نگار کی طرف سے پیدا کیے جانے والے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے۔ (ادارہ)

کسی بھی مسلمان کے سامنے جب آنحضرت ﷺ کی کسی حدیث (قول یا فعل) کا ذکر آئے تو اس کے لئے سمع و طاعت کے سوا چارہ کار نہیں رہتا' اسی لئے قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ (الاحزاب: ۳۶)

''اور کسی مومن مرد و عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی امر مقرر کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں' اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہ ہو گیا''۔

اس واضح قرآنی حکم کے مطابق چاہئے تو یہ تھا کہ جب ''رجم'' کی حمایت کے اثبات و حجیت میں آنحضرت ﷺ کی ''متواتر احادیث'' کا حوالہ دیا گیا تھا تو اس پر ''صاحب میزان'' اپنی سپر ڈال دیتے اور ''حدیث متواتر'' کے مقابلے میں محض قیاس و رائے کی دخل اندازی کر کے ''عذر گناہ بدتر از گناہ'' کا مصداق نہ ٹھہرتے' مگر ''صاحب میزان'' نے اس کے جواب میں متعدد قسطوں میں جواب لکھ کر بزعم خویش

© rasailojaraid.com

بڑا تیر مارا ہے' اور اس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ نظر بد دور اُن کی زبان و قلم خوب چلتی ہے۔ جب ''صاحب میزان'' یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ''آنحضرت ﷺ خدا کے محض نامہ بر نہیں تھے کہ اس کی کتاب پہنچا دینے کے بعد آپؐ کا کام ختم ہو گیا' رسول خدا کی حیثیت سے آپؐ کا ہر قول و فعل بجائے خود قانونی سند و حجت رکھتا ہے۔ آپؐ کو یہ مرتبہ کسی امام و فقیہہ نے نہیں دیا' خود قرآن نے آپؐ کا یہی مقام بیان کیا ہے۔ کوئی شخص جب تک صاف صاف قرآن کا انکار نہ کر دے' اس کے لئے سنت کی اس قانونی حیثیت کو چیلنج کرنا ممکن نہیں ہے۔ قرآن نے غیر مبہم الفاظ میں فرمایا ہے کہ زندگی کے ہر معاملے میں رسول کے امر و نہی کی ہر حال بے چون و چرا تعمیل کی جانی چاہئے'' تو اِن سطور کے بعد اب بحث کی گنجائش کہاں رہ جاتی ہے! جب ہر معاملے میں پیغمبر علیہ السلام کی آئینی و تشریعی حیثیت کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کے بعد قیل و قال بجائے خود پیغمبر کی مذکورہ بالا حیثیت کے انکار کرنے کے مترادف ہے' مگر یہی وہ کارنامہ ہے جو الغامدی صاحب نے اپنے مذکورہ مضمون کے ذریعے انجام دیا ہے اور اس پر بھی وہ مسلمانوں سے داد پانے کے خواہاں ہیں' چہ خوب؟

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد!

سنت کی تشریعی حیثیت

اگر ''صاحب میزان'' نے چاروں مسالک کے جلیل القدر ائمہ کرام کو ''احادیث'' کے سامنے سرنگوں پایا اور یہ دیکھا ہے کہ جہاں کوئی مستند حدیث ملتی ہے وہاں تمام مکاتب کے فقہاء اُس کے سامنے سپر ڈال دیتے ہیں' تو اس پر انہیں تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ قرآن مجید کی دو صد سے زیادہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ اس کے رسول برحق کی اطاعت کا بھی ذکر آیا ہے اور ہر جگہ اطاعت و اتباع کا یہ ذکر غیر مشروط یا دوسرے الفاظ میں بغیر کسی قید و شرط کے بیان ہوا ہے۔ قرآن مجید کی کسی آیت سے کوئی بڑے سے بڑا ''منکر حدیث'' بھی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی اطاعت و اتباع کو مشروط یا مقید ٹھہرایا ہو۔

© rasailojaraid
© rasailojaraid

صاحب میزان نے سورۂ یونس کی جس آیت کا سہارا لیا ہے' ہم آگے چل کر اس کو بھی واضح کریں گے' اور یہ ثابت کریں گے کہ انہوں نے اس کو سیاق و سباق سے ہٹ کر اور غلط ترجمے کے ساتھ استدلال میں پیش کیا ہے۔

قرآن مجید میں رسول ﷺ کی اطاعت و اتباع پر اتنا زور دیا گیا ہے کہ ''رسول کی اطاعت ہی کو خدا تعالیٰ کی اطاعت قرار دیا گیا ہے''۔

﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ﴾ (النساء: ۸۰)

اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع کو ہی خدا تعالیٰ کی محبت و مغفرت حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ٹھہرایا گیا:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝﴾ (آل عمران: ۳۱)

اور مؤمن ہونے کی یہ علامت بیان کی گئی:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝﴾ (النساء: ۶۵)

''تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کرو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں' بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مؤمن نہیں ہوں گے''۔

ایک اور مقام پر حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس کو دنیا بھر کے لوگوں کے لیے ''اُسوۂ حسنہ'' یعنی عمل کا قابل تقلید نمونہ قرار دیا گیا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِیْرًا ۝﴾ (الاحزاب: ۲۱)

اگر آنحضرت ﷺ کا کوئی قول و فعل اللہ تعالیٰ کی منشا کے خلاف ہوتا' جیسا کہ صاحب میزان نے دعویٰ کیا ہے' تو اللہ تعالیٰ کسی ایک مقام پر تو اپنے رسول کی اطاعت و اتباع کو مشروط قرار دے دیتے۔

مذکورہ مضمون میں سورۃ الحشر کی جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے کہ:

© rasailojaraid.

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ﴾ (الحشر: ۷)

''پس جو چیز تم کو پیغمبر دے دیں وہ لے لو اور جس چیز سے منع کریں (اس سے) باز رہو''۔

اس میں بھی مثبت اور منفی دونوں جہتوں میں ''مَـــا'' کا لفظ مستعمل ہوا ہے۔ اور عربی زبان کا ادنیٰ طالب علم بھی یہ جانتا ہے کہ یہ مَـــا کلمہ ''حصر و جامعیت'' ہے' اور اس طرح رسول کے ہر مثبت حکم کی اطاعت کا اور ہر منفی حکم سے باز رہنے کا قرآنی حکم ملتا ہے۔ چنانچہ تمام مفسرین نے اس آیت سے یہی مفہوم اخذ کیا ہے' خود الغامدی صاحب کے استاد محترم مولانا اصلاحی صاحب' جو خود مسئلہ رجم کے اصل محرک ہیں' یہاں تسلیم کرتے ہیں:

''زندگی کے ہر معاملے میں رسول کے حکم و نہی کی بے چون و چرا تعمیل کی جائے گی' اس لیے کہ رسول کی حیثیت جیسا کہ قرآن میں تصریح ہے' اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیے ہوئے ایک واجب الاطاعت ہادی کی ہوتی ہے''۔ (تدبر قرآن' جلد ۸' صفحہ ۲۹۳)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

''اس سے معلوم ہوا کہ رسول کے دیئے ہوئے احکام بعینہٖ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں' ان کا ذکر قرآن مجید میں ہو یا نہ ہو' رسول کی طرف ان کی نسبت کی تحقیق ضروری ہے' لیکن نسبت ثابت ہے تو ان کا انکار خود اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار ہے' گفتہ او گفتہ اللہ بود''۔ (جلد ۸' صفحہ ۳۸۸)

علاوہ ازیں خود قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ کی ذاتِ قدسی کو اپنا موضوعِ سخن بنا کر مخالفین کا منہ بند کر دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ پریشانِ خاطر ہوتے ہیں تو قرآن آپؐ کو تسلی دیتا ہے آپؐ وحی کے انتظار میں گھڑیاں گنتے ہیں اور بار بار سر آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں تو قرآن اسی کو اپنا موضوع ٹھہراتا ہے۔ آپ ﷺ کے ابتدائی حالات کی محنت و مشقت ہو یا زندگی کے اختتامی دور کی فتح و کامرانی' قرآن نے دونوں کو اپنے سینۂ اطہر میں ''بین الدفتین'' جگہ دی۔ پیغمبر ﷺ لڑنے کے لئے نکلتے ہیں اور جنگ بدر میں فتح و کامرانی سے ہمکنار ہوتے ہیں تو بادشاہِ ارض و سما اس پر پوری

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

پوری سورتیں نازل کرتا ہے۔ پیغمبر ﷺ کو جنگ میں چوٹ لگتی ہے تو قرآن اپنی آیات کو اس کے لئے وقف کر دیتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس، پیغمبر ﷺ میدانِ بدر میں ریت یا کنکریاں پھینکتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس عمل کو اپنا عمل قرار دیتا ہے، پیغمبر ﷺ صلح حدیبیہ کے موقع پر مجاہدین صف شکن سے موت پر بیعت لیتا ہے تو خدا پیغمبرؐ کے ہاتھوں پر بیعت کرنے والوں کو اپنے ہاتھ پر بیعت کرنے کی خوشخبری اور اس بیعت کو بیعت رضوان بنانے کی بشارت سناتا ہے۔ ایک بدو قبیلہ پیغمبر ﷺ کو ان کے حجرے کے باہر سے سخت آواز میں بلاتا ہے تو قرآن ان کو ''حبط اعمال'' کی دھمکی دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ اس بارگاہِ ناز میں انہیں ادب و احترام سے آنا اور پیغمبر ﷺ کو آہستگی سے پکارنا چاہئے، ورنہ تمہارے سب اعمال اکارت ہو جائیں گے۔ پیغمبر ﷺ کی بعض ازواج مطہرات حضور ﷺ سے شکایت کرتی ہے تو قرآن خدا، جبرئیل، فرشتوں اور تمام اہل ایمان کو آپؐ کی تائید وحمایت میں لاکھڑا کرتا ہے۔ یہ سلسلہ مکّہ میں نبوت ملنے سے شروع ہوا اور ''حجۃ الوداع'' کے تکمیل دین کے موقع تک یکساں طریقے سے جاری و ساری رہا۔ افسوس کا مقام ہے کہ ''صاحب میزان'' نے قرآن مجید سے قرآن مجید کو سمجھنے کا تو دعویٰ کیا، مگر انہوں نے قرآن سے حاملِ قرآن اور مہبط وحی ﷺ کا مقام و مرتبہ نہیں پہچانا۔ قرآن مجید سے آنحضرت ﷺ کا جو مقام و مرتبہ متعین ہوتا ہے وہ بقول شاعرِ مشرق علامہ اقبال یہ ہے ؂

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

مذکورہ مضمون میں صاحبِ میزان کا مرکزی خیال یہ ہے کہ:

(الف) کسی بھی درجے کی (واحد، عزیز، مشہور اور متواتر) حدیث سے قرآن مجید کی کسی آیت کو یا اس کے کسی حکم کو نہ منسوخ کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کے عام حکم کو خاص اور خاص حکم کو عام کرنا ممکن ہے۔

(ب) واحد حق جو قرآن مجید نے ''سنۃ'' کو دیا ہے وہ اس کی ''تبیین و بیان'' کا

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

ہے‘ لیکن یہ ’’تبیین و بیان‘‘ بھی لغت و اشتقاق کے ماتحت ہونا چاہیے‘ اس کے علاوہ اگر ہوگا تو قابل قبول نہ ہوگا‘ وغیرہ وغیرہ۔

جہاں تک کسی حدیث سے قرآن مجید کی کسی آیت کے منسوخ ہونے کا تعلق ہے‘ تو اگرچہ فقہائے متقدمین اس کے حق میں تھے‘ لیکن عصر حاضر کے بہت سے نامور محققین نے یہ صراحت کی ہے کہ اس سے ان کی مراد درحقیقت قرآنی احکام کی ’’تعمیم و تخصیص‘‘ ہے۔ بنابریں اب یہی ایک مسئلہ زیر بحث رہ جاتا ہے کہ آیا ’’احادیث رسولؐ‘‘ کو قرآن مجید کی آیات میں تعمیم و تخصیص کا حق حاصل ہے‘ یا نہیں؟ جمہور صحابہؓ‘ جمہور تابعین و تبع تابعین‘ جملہ اہل مسالک (شافعی‘ حنفی‘ مالکی‘ حنبلی‘ اہل ظواہر اور اہل تشیع) ائمہ اربعہ‘ جملہ مفسرین‘ جملہ فقہاء و اعیان ملت قرآن و سنت کی واضح نصوص کی روشنی میں احادیث نبویہ کے لئے قرآنی احکام میں اس قسم کی تخصیص و تعمیم کا حق تسلیم کرتے ہیں‘ صرف چند خوارج‘ ایک معتزلی عالم ابومسلم اصفہانی اور دورِ حاضر کے ’’اہل قرآن‘‘ جن میں ’’صاحب میزان‘‘ نمایاں ہیں‘ اس کے مخالف ہیں۔ اب اصولی طور پر تو یہیں پر بات ختم ہو جاتی ہے‘ اس لئے کہ جس مسئلے پر چودہ صدیوں کے اہل اجتہاد و بصیرت کا اجماع ہو چکا ہو‘ اور اتنی کثیر تعداد میں اُمت کے فقہاء‘ صلحاء‘ علماء اور محققین اس پر صاد کر چکے ہوں‘ تو یہ بجائے خود اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ یہی قرآن و حدیث کا منشا ہے‘ علاوہ ازیں اُمت کا یہ اجماع ’’سبیل المؤمنین‘‘ کا مصداق بھی ہے‘ جس کی مخالفت سے قرآن نے سختی سے منع کیا‘ اور عدمِ اتفاق کی صورت میں سزائے جہنم کی وعید سنائی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ (النساء: ۱۱۵)

’’اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر ﷺ کی مخالفت کرے اور مؤمنوں کے رستے کے سوا اور رستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے اُدھر ہی چلنے دیں گے اور قیامت کے دن جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بُری جگہ ہے‘‘۔

© rasailojaraid.

تاہم چونکہ ''صاحب میزان'' نے بعض کمزور دلائل کے سہارے جمہور اُمت کے مسلک پر اعتراض کیا ہے' اس لئے جمہور اُمت کے دلائل کا ایک جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

(۱) قرآن مجید کی متعدد آیات میں آنحضرت ﷺ کی اطاعت مطلقہ کا ذکر آیا ہے اور کسی ایک مقام میں بھی آپ کی اطاعت واتباع کے لئے کسی قسم کی قید یا شرط کا کسی اشارے کنائے میں بھی ذکر نہیں کیا گیا۔ اس طرح قرآن آنحضرت ﷺ کے ''مطاعِ مطلق'' ہونے کا اس وقت تک تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جب تک آپؐ سے ہر ثابت شدہ ارشاد پر آنکھیں بند کر کے عمل نہ کیا جائے۔

(۲) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ﴾ (النساء: ۸۰)

''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی''۔

گویا قرآن مجید کی نظروں میں ''اطاعت خدا اور اطاعت رسول'' میں صرف نام کا فرق ہے' ورنہ دونوں کا منبع ومصدر ایک ہی ہے۔ خود قرآن کریم میں تصریح ہے کہ:

﴿مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۞ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۞ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۞﴾ (النجم: ۲-۴)

''تمہارے رفیق (محمد ﷺ) نہ رستہ بھولے' نہ بھٹکے ہیں' اور نہ خواہش نفس سے مُنہ سے بات نکالتے ہیں' یہ تو حکم خدا ہے جو اُن کی طرف بھیجا جاتا ہے''۔

اس آیت کی تفسیر میں جملہ مفسرین نے صراحت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی کوئی عام بات بھی عام نہیں ہے' آپؐ کی ہر بات میں وحیٔ ربانی کا پرتو ہوتا ہے۔

''صاحب میزان'' کے استاد محترم کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑا:

''نبی چونکہ معصوم اور اس کا ہر قول وفعل لوگوں کے لئے نمونہ ہوتا ہے' اس وجہ سے عام زندگی میں بھی اس کی کوئی بات حق وعدل سے ہٹی ہوئی نہیں ہوتی اور اگر کبھی اس سے فروگزاشت صادر ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح فرما دیتا ہے''۔ (تدبر قرآن' جلد ۸' ص ۵۳)

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

اور ہر شخص جانتا ہے کہ ہر متکلم کو اپنی بات کی ''تعمیم و تخصیص'' کا حق حاصل ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصب رسالت عظمیٰ پر فائز تھے' اور آپ پر وحی کا نزول ''جلی و خفی'' دونوں طرح سے ہوتا تھا' لہٰذا جب آپ نے قرآن مجید کے کسی حکم کو عام یا خاص فرمایا تو اس کے لئے لازمی طور پر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ کو اس تخصیص و تعمیم سے ''پادشاہِ ارض و سما'' اور ''مالک کون و مکاں'' نے مطلع کیا ہوگا' بصورتِ دیگر یہ بذاتِ خود محولہ بالا قرآنی آیت کی العیاذ باللہ تکذیب ہوگی کہ آپ نے خود اپنی مرضی سے حکم خدا کو بدل ڈالا۔ امام غزالی اس مضمون کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''حقیقت یہ ہے کہ اس صورت میں ناسخ (مراد تعمیم و تخصیص کرنے والا) خود اللہ تعالیٰ ہے' جس نے اپنے رسول کی زبان سے یہ کہلوایا۔ اور خلاصہ یہ کہ یہ شرط نہیں ہے کہ قرآن مجید کا نسخ (تعمیم و تخصیص) قرآن ہی کے کسی حکم سے ہو' بلکہ یہ کام آنحضرت ﷺ پر ایسی وحی نازل کر کے بھی لیا جا سکتا ہے جو قرآن میں مذکور نہیں' فرق صرف عبارت کا ہے۔ پس خدا کا کلام کبھی تو منظوم شکل میں نازل ہوتا ہے تو اسے قرآن کہا جاتا ہے' اور کبھی خدا کا یہ حکم حرف و عبارت کے بغیر نزول کرتا ہے تو اسے سنت کہہ دیا جاتا ہے' اور یہ تمام کلام (قرآن و سنت) آنحضرت ﷺ سے ہی سنا جاتا ہے۔ بہر حال ناسخ ہر صورت میں ایک ہی یعنی اللہ تعالیٰ ہے''۔ (المستصفیٰ' ج ۲۰' ص ۱۲۵)

علامہ شاطبی الموافقات میں فرماتے ہیں:

> ''اور تیرے لئے یہ بات کافی ہے کہ سنت قرآن کے مطلق کو مقید اور عام کو خاص اور غیر ظاہر کو ظاہر کرتی ہے' جیسا کہ اصول کی کتابوں میں لکھا گیا ہے۔ مثلاً قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر سارق پر حد لگائی جائے' لیکن سنت سے سرقہ کے نصاب کی تخصیص ہوئی۔ قرآن مجید سے ہر قسم کے (تھوڑے اور زیادہ) مال پر زکوٰۃ کا حکم مستنبط ہوتا ہے' مگر سنت سے پتہ چلا کہ مخصوص قسم کے مال اور صاحب نصاب پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ ''اس کے علاوہ تمام عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں'' مگر احادیث سے عورت کے ساتھ اس کی

© rasailojaraid

پھوپھی اور خالہ کو جمع کرنے کی حرمت بھی معلوم ہوتی ہے''۔

(الموافقات: ج ۴، ص ۴)

(۴) قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ کو ''قرآن مجید'' کی تبیین کا حق خود عطا کیا ہے' جیسا کہ خود الغامدی صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ کو ''تبیین و بیان'' کا یہ حق بغیر کسی قید و شرط کے عطا کیا ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ یہ ''تبیین و بیان'' اس آیت کے ظاہری مفہوم کے عین مطابق ہو یا اس سے مختلف' تو اس میں بنیادی نکتہ یہ ہے کہ اگر یہ ''تبیین و بیان'' اس کے ظاہری مفہوم کے عین مطابق ہی ہو اور اس سے رتی برابر بھی مختلف نہ ہو تو اس میں آنحضرت ﷺ کی کیا خصوصیت ہے؟ اس قسم کی توضیح و تشریح تو صدہا مفسرین کرتے آئے ہیں' اور یہ ضروری نہیں کہ ان تمام کی یہ توضیحات درست بھی ہوں۔ اندریں صورت معاذ اللہ قرآن مجید کی توضیح و تشریح کے سلسلے میں مہبط وحی ﷺ اور ایک عام مفسر میں (خواہ وہ ''صاحب میزان'' ہی ہوں) کیا فرق باقی رہ جاتا ہے؟ علاوہ ازیں قرآن مجید کی تشریح کے ضمن میں اگر ایک عام اُمتی اور پیغمبر اسلام دونوں کے حقوق برابر ہیں تو پھر قرآن کی مذکورہ بالا صراحت کرنے کی بھلا کیا ضرورت تھی؟ اسی بنا پر جملہ مفسرین' علماء و فقہاء نے نصوصِ قرآن کی روشنی میں آنحضرت ﷺ کا یہ حق تسلیم کیا ہے کہ آپؐ قرآن مجید کی آیات میں تخصیص و تعمیم اور قید و اطلاق کا غیر مشروط حق رکھتے ہیں۔ علامہ شاطبی' جن کا نامکمل حوالہ الغامدی صاحب نے پیش کیا ہے' فرماتے ہیں:

> ''پس سنت تو بمنزلہ تفسیر اور شرح کے ہے' اور قرآن مجید کی آیت ﴿لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ﴾ اس پر دلالت کرتی ہے۔ سنت کے قرآن پر قاضی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ قرآن کی مبین و شارح ہے۔ سنت اپنے مفہوم میں قرآن مجید کی طرف راجع ہے' پس وہ اس کے مجمل کی تفصیل' اس کے مشکل کا بیان اور اس کے مختصر کی شرح ہے...... احادیث نبویہ دو باتوں میں سے ایک کا احتمال رکھتی ہیں: یا تو یہ کہ وہ قرآن کا بیان ہیں' یعنی یہ کہ اس کی بیان کردہ صورت دو احتمالوں میں سے ایک ہو گی' جب مکلّف نے حدیث پر عمل کیا تو قرآن مجید پر بھی عمل ہو گیا

© rasailojaraid

اور سنت رسول پر بھی، اور اگر اس نے حدیث کے بیان پر عمل نہ کیا تو نہ قرآن پر عمل ہوگا اور نہ حدیث پر''۔ (الموافقات' ج ۴' ص ۵ تا ۸)

امام شافعی اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''کتاب الام'' میں لکھتے ہیں:

''اور آنحضرت ﷺ کی سنت اللہ تعالیٰ کی منشا و ارادے کی وضاحت کرتی ہے' اور یہ سنت قرآن کے عام کو خاص اور خاص کو عام کرتی ہے''۔

عصر حاضر کے ایک نامور مصری محقق محمد ابوزہرہ لکھتے ہیں:

''احادیث سے قرآن مجید کی تخصیص کا یہ مفہوم نہیں کہ اس کے بعض احکام کو اس کے عموم سے نکال دیا جاتا ہے' بلکہ تخصیص کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے ذریعے شارع کا ارادہ اور منشا ظاہر کیا جاتا ہے کہ فلاں حکم اس میں سرے سے شامل ہی نہ تھا''۔ (اصول الفقہ' ص ۱۶۵)

عصر حاضر کے ایک محقق نے ''مقام السنة من الکتاب'' (قرآن مجید کے مقابلے میں سنت کا مقام) کے عنوان سے سنت کے لئے حسب ذیل حقوق کا اثبات کیا ہے:

(الف) وہ قرآن مجید کے مبہم کو بیان کرتی ہے' اس کے مجمل کی تفصیل کرتی اور اس کے عام کو خاص اور خاص کو عام کرتی ہے۔

ب) قرآن مجید کے بیان کردہ اصولوں پر فرائض و احکام کا اضافہ کرتی ہے' بایں طور کہ ان فرائض و احکام سے قرآن مجید کے بیان کردہ اصولوں کی تکمیل ہوتی ہے۔

ج) ایسے احکام بیان کرتی ہے جن کا ذکر قرآن مجید میں سرے سے موجود ہی نہیں' مثلاً گدھوں کی حرمت' درندوں کی تحریم اور دیات وغیرہ کا ذکر۔

''صاحب میزان'' کی یہ انتہائی کوتاہ نظری ہے کہ وہ قرآن مجید سے ثابت شدہ ''تخصیص و تعمیم'' کا حق پیغمبر اسلام کے لئے تسلیم نہیں کرتے' حالانکہ بعض مقامات پر ''تخصیص و تعمیم'' کا یہ حق عام مفسرین نے بھی استعمال کیا ہے۔ بقول علامہ القرافی: مخصصات پندرہ اقسام کے ہیں' ان میں سے بعض محض عقلی ہیں' ان کے افہام و تفہیم کے لئے کسی نص کی بھی ضرورت نہیں' مثال کے طور پر قرآن مجید میں ہے: ﴿اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ﴾ اس آیت میں ''النَّاس'' کلمہ حصر و جامعیت ہے' مگر اس سے مراد

© rasailojaraid
© rasailojaraid

صرف ''کفارِ مکہ'' ہیں۔

''صاحب میزان'' کو شاید علم ہو گا کہ اس قسم کی تخصیص و تعمیم کا حق ان کے فاضل استاد و مولانا اصلاحی صاحب نے بھی استعمال کیا ہے۔ مثال کے طور پر قرآن مجید میں ''شیطان'' کا لفظ بطورِ اسم علم کے ہر جگہ آیا ہے اور اس سے تمام اُمت نے مخصوص شیطان مراد لیا ہے' جس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا' مگر ان کے استاد محترم ''مُصر'' ہیں کہ شیطان کسی خاص فرد کا نام نہیں' بلکہ یہ تسلسل سے جاری رہنے والا برائی کا ایک مخصوص طبقہ ہے (تفسیر سورۃ الناس)۔ اس طرح انہوں نے محض اپنی عقل سے قرآن کے خاص کو عام کیا۔ تفسیر ''تدبر قرآن'' میں اس قسم کی مثالیں وافر مل جاتی ہیں۔ تو گویا: ع ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند۔

(۵) ''صاحب میزان'' نے بطورِ اصول کے جو آنحضرت ﷺ کے لئے قرآن مجید کی ''تبیین'' کا مشروط حق تسلیم کیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ پیغمبر اس کے احکام میں کسی ترمیم و اضافہ کا مجاز نہیں ہے' تو ان کے اس دعوے کی عملی تعبیر دین کی نصف عمارت منہدم کرنے کا موجب ہو سکتی ہے۔ ان کو علم ہو گا کہ قرآن مجید میں نماز پڑھنے کا حکم لفظ ''صلوٰۃ'' کے ساتھ دیا گیا ہے' مگر کسی جگہ قرآن مجید میں نماز کا طریقہ' اس کے فرائض اور اس کے اوقاتِ خمسہ کی تشریح نہیں ہے۔ کیا احادیثِ نبویہ سے اس قسم کا استفادہ بھی قرآن پر ''اضافہ اور زیادت'' نہیں ہے؟ اندریں صورت آپ قرآن مجید سے یا اپنے مرغوبِ خاطر جاہلی اشعار سے اس بنیادی مسئلے کا کیا حل تجویز کر سکتے ہیں؟

علیٰ ہذا القیاس ''زکوٰۃ'' کے معنی پاکیزگی اور طہارت کے ہیں' تو کیا احادیث نبویہؐ کی بیان کردہ صورت' اس کے نصاب' اس کی فرضیت اور اس کی مقدار وغیرہ کا بیان بقول آپ کے قرآن مجید پر اضافہ نہیں تو اور کیا ہے؟ اور اگر آپ کو کہا جائے کہ اس تمام تفصیل کو ''نصِ قرآن'' سے ثابت کر کے دکھائیں تو آپ کا جواب کیا ہو گا؟ قرآن مجید کے بیان کردہ دیگر احکام' مثلاً حج اور صومِ رمضان وغیرہ کو بھی اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

(۲) ''صاحب میزان'' نے اپنے موقف کے حق میں جو کمزور اور منطقی استدلالات پیش کئے ہیں ان کا بطلان کسی بھی صاحب فکر و نظر پر مخفی نہیں۔ اس پر بھی انہیں اصرار ہے کہ ''جمہورِ اُمّت'' ان کو قرآن مجید سے اس کا کوئی ثبوت پیش کریں' حالانکہ جمہور اُمت کا موقف و مسلک تو صدہا آیاتِ بینات پر مشتمل ہے اور خدا تعالیٰ نے جس شخص کو دیکھنے اور مطالعہ کرنے کے لئے دو آنکھیں' سوچنے کے لئے قلب سلیم اور فیصلہ کرنے کے لئے میزان نہیں' بلکہ ''القسطاس المستقیم'' عطا کی ہے وہ روز روشن کی طرح جمہورِ اُمت کے مسلک کی تائید و توثیق کرے گا۔ ''صاحب میزان'' کو معلوم ہونا چاہئے کہ جمہور اُمت کے پاس دلیل موجود ہے' دلیل پیش کرنے کی ضرورت تو آپ کو ہے۔ کیا آپ قرآن مجید کی کوئی ایسی آیت پیش کر سکتے ہیں جس میں آنحضرت ﷺ کے حقوق و اختیارات کو پابند سلاسل کیا گیا ہو؟

© rasailojarai

اس مقام پر صاحب میزان نے قرآن مجید کی جو واحد آیت اپنے استدلال میں پیش کی ہے' مقام افسوس ہے کہ صاحب میزان نے اس کا ترجمہ بھی درست طور پر نہیں لکھا۔ انہوں نے ''اَنْ اُبَدِلَهٗ'' کا ترجمہ ''کوئی ترمیم و اضافہ نہیں کر سکتا ہے'' سے کیا ہے جو بالکل غلط ترجمہ ہے۔ عربی زبان کا ہر طالب علم یہ جانتا ہے کہ ''اَنْ اُبَدِّلَهٗ'' کا لفظ ''بَدَّلَ تَبْدِيْلًا'' سے ہے' جس کے معنی ''ترمیم و اضافہ'' کے نہیں' بلکہ اس کو مکمل تبدیل کر دینے اور بدل دینے کے ہیں۔ اس طرح کے غلط سلط ترجموں سے اپنے موقف کا اثبات انتہائی افسوسناک ہے۔

اصلی صورتِ حال یہ ہے کہ یہ آیت قرآن مجید میں ''ترمیم و اضافہ'' کی تردید کے لئے سرے سے استدلال کا کوئی پہلو نہیں رکھتی' اس میں قرآن کی جگہ کسی اور قرآن کی تبدیلی کی تردید کا ذکر ہے۔ پوری آیت کا ترجمہ اگر سامنے رکھا جائے تو یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے:

﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا

© rasailojarai

مَا یُوْحٰی اِلَیَّ ﴾ (یونس:۱۵)

''اور جب ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں' تو جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی امید نہیں وہ کہتے ہیں کہ یا تو اس کے سوا کوئی اور قرآن بنالاؤ یا اس کو بدل دو۔ کہہ دو کہ مجھ کو اختیار نہیں ہے کہ اسے اپنی طرف سے بدل دوں' میں تو اسی حکم کا تابع ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے''۔

اور ہر مبتدی شخص بھی یہ جانتا ہے کہ قرآن مجید کو بدل دینے اور اس کے عام کو خاص یا خاص کو عام کرنے میں بڑا فرق ہے۔ امام غزالی اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

''کفارِ مکہ نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ اس قرآن کی طرح کا کوئی اور قرآن بنالاؤ' تو آنحضرت ﷺ کو یہ جواب سکھایا گیا کہ میں اپنی طرف سے تبدیلی کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ انہوں نے اس مقام پر کسی ایک حکم کی جگہ دوسرا حکم طلب نہیں کیا تھا' پس اس آیت کا زیر بحث صورت سے کوئی تعلق نہیں''۔ (المستصفٰی' ج ا'ص ۱۲۵)

اب اس پس منظر میں رجم کا مفہوم سمجھا جا سکتا ہے۔ قرآن مجید میں بلاشبہ بدکار مَرد و عورت کی سزا سو درّے بیان ہوئی ہے' مگر احادیث متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس مقام پر ''اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ '' کی تخصیص فرماتے ہوئے صرف غیر شادی شدہ مَرد و زن کو اس کا مصداق ٹھہرایا۔ رہ گئے شادی شدہ مَرد و زن' تو ان کے لئے آپؐ نے رجم کی سزا تجویز فرمائی۔ آنحضرت ﷺ کا یہ بیان نہ تو قرآن سے متصادم ہے اور نہ قرآن پر کوئی اضافہ ہے۔ اس طرح کی بے شمار صورتیں ہمیں قرآن وسنت سے معلوم ہوتی ہیں۔ ان میں سے اگر کسی ایک کا انکار کر دیا جائے تو دین کی نصف عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔ بنابریں شادی شدہ مَرد و زن کے لئے سزائے رجم کا اثبات حسب ذیل قوی دلائل سے ہوتا ہے:

(الف) احادیث متواترہ: جن کو کم وبیش ۳۵ صحابہ ﷺ نے روایت کیا۔

(ب) اجماع اُمت: اجماعِ صحابہ' اجماعِ تابعین و تبع تابعین اور اجماعِ اہل مسالک خمسہ۔

ان میں سے ہر دلیل اپنی جگہ قوی دلیل ہے۔ اس حکم پر آنحضرت ﷺ نے عمل

© rasailojaraid

کیا، حضور ﷺ کے خلفاء نے عمل کیا اور صدہا سال تک مسلمانوں نے اس پر عمل کیا، آج تک کسی بھی صاحب اجتہاد و بصیرت شخص نے اس کا انکار نہیں کیا۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ رجم کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''یہ امر کہ زنا بعد احصان کی سزا کیا ہے، قرآن مجید نے نہیں بتایا، بلکہ اس کا علم ہمیں حدیث سے ہوتا ہے۔ بکثرت معتبر روایات سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے نہ صرف قولاً اس کی سزا رجم (سنگساری) بیان فرمائی ہے، بلکہ عملاً آپؐ نے متعدد مقدمات میں یہی سزا نافذ کی ہے۔ پھر آپؐ کے بعد چاروں خلفائے راشدین نے اپنے اپنے دور میں یہی سزا نافذ کی اور اسی کے قانونی سزا ہونے کا بار بار اعلان کیا۔ صحابہ کرامؓ اور تابعین میں یہ مسئلہ بالکل متفق علیہ تھا، کسی شخص کا بھی کوئی ایسا قول موجود نہیں ہے جس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکے کہ قرنِ اوّل میں کسی کو اس کے ایک ثابت شدہ حکم شرعی ہونے میں کوئی شک تھا، اُمت کی پوری تاریخ میں بغیر خوارج اور بعض معتزلہ کے کسی نے بھی اس سے انکار نہیں کیا۔'' (تفہیم القرآن، ج ۳، ص ۳۲۷)

اور اس پر بھی انہیں اصرار ہے کہ انہیں ''معتزلی'' نہ کہا جائے۔OO

صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن و بانی تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کے پانچ خطبات جو سالانہ محاضرات ۱۹۹۱ء میں دیئے گئے

حقیقت ایمان

تسوید و ترتیب: مولانا ابوعبدالرحمٰن شبیر بن نور

﴿اہم موضوعات﴾

■ ایمان کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم ■ ایمان کا موضوع
■ قانونی اور حقیقی ایمان کا فرق اور ان کے ضمن میں کلامی مباحث
■ ایمان و عمل کا باہمی تعلق ■ ایمان اور نفاق ■ ایمان حقیقی کے سرچشمے

اشاعت خاص: 90 روپے اشاعت عام: 50 روپے

© rasailojaraid.com